دارالافتاء

غیر اسلامی ممالک میں

عقودِ فاسدہ وعقودِ باطلہ

کا حکم

سوال: غیر اسلامی ممالک میں عقودِ فاسدہ اور عقودِ باطلہ کی شرعًا اجازت ہے یا نہیں؟

اگر اجازت نہیں تو کُتبِ فقہ میں لا ربوا بین المسلم والحربی کے تحت یہ صراحت کہ حضرات طرفین (یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ) رحمہما اللہ کے نزدیک دارالحرب میں عقود فاسدہ جائز ہیں اس کا کیا مطلب ہے۔

الجواب باسم ملهم الصواب حامدًا ومصليًا

ضروری ہے کہ یہاں ایک وضاحت پہلے کردی جائے جس پر مطلوبہ مسئلے کا دارومدار بھی ہے۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ امداد الفتاوی ص ۱۵۷ ج ۳ میں فرماتے ہیں

"دونوں قولوں کے دلائل پر نظر کی گئی تو ابویوسف رحمہ اللہ کے دلائل قوی ہیں"۔

"اگر علی سبیل التنزل امام صاحب ہی کے قول کو لیا جاوے تب بھی وہ مقید ہے قیودِ مذکورہ کے ساتھ

نمبر ۱۔ وہ محل دارالحرب ہو۔

نمبر ۲۔ معاملہ ربوا کا حربی سے ہو۔

نمبر ۳۔ مسلم اصلی سے نہ ہو اور نہ ذمی سے ہو اور مسلم اصلی وہ ہے جو دارالحرب میں آنے کے قبل اسلام لایا ہو خود یا تبعًا للآباء

نمبر ۴۔ معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو جو دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لے کر آیا ہو یا وہ مسلم ہو جو دارالحرب ہی میں اسلام لایا ہو وہ مسلم اصلی نہ ہو جو خود دارالحرب میں رہتا ہو۔

اس قید رابع کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گزری، مگر اس قاعدہ کی تصریح ہے کہ روایات فقہیہ کے مفاہیم حجت ہیں۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت میں دو باتیں محل نظر ہیں۔

۱۔ معاملہ کرنے والا مسلم اصلی نہ ہو۔

۲۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے دلائل قوی ہیں۔

ہم ترتیب سے دونوں باتوں کے بارے میں کچھ تفصیل ذکر کرتے ہیں۔

کیا یہ شرط ہے کہ معاملہ کرنے والا مسلم اصلی نہ ہو

ہم کہتے ہیں کہ لاربوا بین مسلم و حربی ثم کی علت درمختار میں یوں ذکر ہے لان مالہ ثم مباح (کیونکہ اس کا مال دارالحرب میں مباح ہے) باب الربوا۔ اور بدائع الصنائع میں یوں مذکور ہے۔

ان اخذ الربا فی معنی اتلاف المال و اتلاف مال الحربی مباح و هذا لانه لاعصمة لمال الحربی فکان المسلم بسبیل من اخذه الا بطریق الغدر والخیانة فاذا رضی به انعدم معنی الغدر۔ (ص ۱۳۲ ج ۷)

ترجمہ: سود لینے میں اتلافِ مال کا معنی پایا جاتا ہے اور حربی کے مال کا اتلاف مباح ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ حربی کے مال کو کچھ عصمت و تحفظ حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمان حربی کا مال لے سکتا ہے، البتہ دھوکہ اور خیانت سے نہ ہو۔ تو جب حربی مال دینے پر راضی ہوا تو دھوکہ کا معنی معدوم ہوا۔)

اس تعلیل پر جو تفریعات ہیں وہ یوں ہیں

(الف) ومنه یعلم حکم من اسلما ثم ولم یهاجرا۔ ای یعلم مما ذکره المصنف مع تعلیله ان من اسلما ثم ولم یهاجرا لا یتحقق الربوا بینهما ایضا کما فی النهر عن الکرمانی و هذا یعلم بالاولی (رد المحتار باب الربوا)

ترجمہ: مصنف رحمہ اللہ نے تعلیل کے ساتھ جو کچھ ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ دو حربی جو دارالحرب میں مسلمان ہوئے اور انھوں نے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی تو اُن کے درمیان بھی سود ثابت نہیں ہوتا۔

(ب) ولو عاقد هذا المسلم الذی دخل بامان مسلما اسلم هناك ولم یهاجر الینا جاز عند ابی حنیفة رحمه الله

وہ مسلمان جو دارالحرب میں ویزا لے کر داخل ہوا ہو اگر وہاں مسلمان ہونے والے شخص سے جس نے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی سودی معاملہ کیا تو ابوحنیفہ رح کے نزدیک

جائز ہے۔

(ج) وكذلك لو كان اسيرًا في ايديهم أو اسلم في دار الحرب ولم يهاجر الينا فعاقد حربيا۔

ترجمہ: اگر دار الاسلام کا کوئی شخص حربیوں کے ہاتھوں میں قیدی ہو یا دار الحرب کا کوئی شخص مسلمان ہوگیا ہو اور یہ کسی حربی سے سودی معاملہ کریں تو جواز کا حکم ہے۔

ان تفریعات سے یہ بات سامنے آئی کہ مسلم مستامن اور مسلم حربی دار الحرب میں کافر حربی سے اور مسلم حربی سے سودی معاملہ کر سکتے ہیں اور وجہ جواز وہ علت ہے جو درمختار اور بدائع سے نقل کی گئی۔

مسلم مستامن اور مسلم حربی کے علاوہ ایک صورت مسلم اصلی کی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کو دار الحرب میں مستقل سکونت کی اجازت مل گئی یا جس دار الاسلام کا وہ پہلے باشندہ تھا وہ دار الحرب میں تبدیل ہوگیا ہو۔

جب ہم علت پر نظر کرتے ہیں جو یہ ہے کہ حربی کا مال مباح ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلم ہو تو مفہوم مخالف سے نکلا کہ جو مسلم حربی نہ ہو خواہ وہ مستامن ہو یا اصلی ہو اس کا مال مباح نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب حربی کا مال مباح ہے اور مسلم مستامن اور مسلم حربی کو اس کا مال لینا مباح ہے تو مسلم اصلی کو بھی مذکورہ تعلیل کی رو سے اس کا مال لینا مباح ہوگا۔ کوئی مانع موجود نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تعلیل کی رو سے مسلم اصلی کے حق میں بھی حربی کا مال مباح ہوگا اور دار الحرب میں مسلم مستامن کسی مسلم اصلی سے یا ایک مسلم اصلی کسی دوسرے مسلم اصلی سے سودی معاملہ نہیں کر سکتا۔

غرض یہ شرط نہیں ہے کہ حربی سے سودی معاملہ کرنے والا مسلم اصلی نہ ہو اور مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے قول "معاملہ کرنے والا مسلم اصلی نہ ہو" سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔

کیا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے دلائل قوی ہیں؟

مولانا تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

"اس کے بعد جو دونوں قولوں پر نظر کی گئی تو ابو یوسف رحمہ اللہ کے دلائل قوی ہیں، چنانچہ مفصلا رسالہ تحذیر الاخوان میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان

میں سے صرف ایک دلیل اس وقت ذکر کرتا ہوں۔ آیت تحریم ربوا میں ارشاد ہے۔ یا یھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین اور ظاہر ہے کہ اس بقیہ ربوا کا معاملہ جس وقت ہوا ہے لینے والے دینے والے سب حربی تھے، تو تحریم کے بعد اگر حربی سے ایسا معاملہ جائز ہوتا تو تحریم کے قبل تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوتا اور وہ رقم حلال ہوتی تو اس کا ترک کرنا کیوں فرض ہوتا اور یہ نص قطعی ہے۔ ثبوتاً بھی دلالۃً بھی اور طرفین کی دلیل یا خبر واحد ہے یا قیاس جو کہ ظنی ہیں اور قطعی کی تقدیم کا وجوب ظنی پر اجماع ہے... الخ

(ص ۱۵۸ ج ۳ امداد الفتاوی)

اسی طرح مولانا تھانوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں۔

"جو احقر نے اس آیت سے سمجھا ہے۔ دارالحرب میں حربی سے سود لینا حرام ہے۔ کیونکہ یہ بقایا سود زمانہ جاہلیت کا تھا جبکہ مکہ دارالحرب تھا۔ اگر یہ معاملہ حلال ہوتا تو حلال معاملہ سے جو حق واجب ہو اس کا مطالبہ ہر حال میں درست ہے۔ گو مطالبہ کے وقت وہ معاملہ ناجائز ہو مثلاً ایک نصرانی نے دوسرے نصرانی سے ایک روپیہ کی شراب خریدی اُن کے لیے معاملہ حلال تھا۔ پھر دونوں مسلمان ہوگئے۔ باوجودیکہ اب ایسی بیع و شراء درست نہیں، مگر پچھلا روپیہ وصول کرنا درست ہے۔ پس جب ربوا میں پچھلا بقایا لینے کی اجازت نہ ہوئی معلوم ہوا کہ اس وقت بھی حلال نہ تھا۔ پھر حربی حربی میں درست نہ ہوا تو مسلم اور حربی میں کیسے درست ہوگا"

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی اس بات کے جواب میں ہم کہتے ہیں:

(۱) عقود میں اعتبار معنیٰ کا ہوتا ہے اور جیسا کہ اُوپر تفصیل گزری۔ معنیٰ کے اعتبار سے مسلم و حربی کے درمیان سودی معاملہ ہونے سے سود کا لین دین نہیں بنتا، بلکہ مالک حربی کی رضامندی سے

اس کے اس مال کو لینا ہے جو مسلمان کے حق میں مباح ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگرچہ متعاقدین کی عبارت سود کے لفظ پر مشتمل ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے اس میں سود نہیں ہے۔ بلکہ مال مباح کو لینا ہے۔

غرض جب طرفین یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ رحمہما اللہ اس کو سودی معاملہ سے خارج کرتے ہیں اور اُس کو مالِ مُباح لینا قرار دیتے ہیں تو ربوا سے متعلق نصوص کا اس پر اطلاق ہی نہیں ہوتا۔

(۲) مذکورہ آیت سے مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا استدلال محل نظر ہے۔ کیونکہ حربی سے سود لینا محض اس علت سے حلال بنتا ہے کہ وہ مال مباح ہے۔ جب تک وہ حربی رہے گا اس کا مال بھی مباح رہے گا، لیکن جب وہ حربی نہ رہے۔ مثلاً اس کا دارالحرب تبدیل ہو کر دارالاسلام بن جائے اور اس طرح وہ ذمی بن جائے یا اسلام قبول کر کے دارالاسلام کا مسلم باشندہ بن جائے تو اس کے مال کی اباحت ختم ہو جائے گی اور اس کو تحفظ حاصل ہو جائے گا۔ اور اب ظاہر ہے کہ اس کو لینا جائز نہ ہوگا تو سود کے نام سے جتنی رقم پر پہلے قبضہ ہو گیا وہ اباحت کی وجہ سے جائز ہوئی اور جتنی رقم قبضے میں آنے سے رہ گئی وہ اباحت ختم ہونے اور تحفظ و احترام حاصل ہونے کی وجہ سے ناجائز ٹھہری۔

ہماری اس بات سے مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی اس بات کا جواب بھی نکل آیا کہ "اگر یہ معاملہ حلال ہوتا تو حلال معاملہ سے جو حق واجب ہو اُس کا مطالبہ ہر حال میں دُرست ہے گو مطالبہ کے وقت وہ معاملہ ناجائز ہو"۔ جواب اس طرح سے ہے کہ سودی معاملہ کرنے سے مسلم کا حربی کے ذمے سود بطور حق واجب کے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ جب مسلم حربی کی رضامندی سے بغیر غدر کے اس کے مال پر قبضہ کرتا ہے تو اب حربی کے ذمے بغیر کسی سابقہ استحقاق کے مسلمان اس کا مالک بن جاتا ہے اور جب اباحت ختم ہو گئی تو چونکہ حربی کے ذمے میں بھی نہیں تھا۔ لہٰذا اب مُسلمان کے لیے اس کا مطالبہ بھی دُرست نہ رہا۔

رہا نصرانیوں کے مسئلہ پر قیاس تو اس کو مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں قیاس مع الفارق کہا ہے لکھتے ہیں۔

قلت قیاس مع الفارق ففی مسئلة النصرانین لو اسلما او احدهما قبل قبض الخمر بطل العقد ولم یکن للبائع ان یطالب المشتری بالثمن مع صحة البیع عند عقده کما مر فهذا هو نظیر الربا الذی امر بترکه وهو

ما بقی غیر مقبوض عند ظهور الاسلام علی الدار۔ واما الذی ذکرہ الشیخ فانما هو نظیر الربا الذی کان مقبوضا عند ظهور الاسلام ولم یثبت انه صلی الله علیه وسلم تعرض له بشئ۔ ولو کان العقد وکل ما اکتسب به قبل صیرورة الدار دارالاسلام راما لأمر النبی صلی الله علیه وسلم برده الی ارباب الاموال کما امر برد المظالم۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ نصرانیوں کے مسئلہ میں اگر شراب پر قبضہ کرنے سے پیشتر دونوں نصرانی یا اُن میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو عقد بیع باطل ہو جاتا ہے اور بائع کو حق نہیں ہوگا کہ عقد کے وقت بیع کے صحیح ہونے کے باوجود وہ اب مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے۔ یہ نظیر اس ربوا کی ہے جس کو چھوڑنے کا حکم ہوا ہے اور یہ وہ ربوا ہے جو دار پر اسلام کے غلبہ کے وقت تک قبضہ میں نہیں لیا گیا تھا۔ رہی وہ صورت جس کو مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ یہ اس ربوا کی نظیر ہے جس پر غلبۂ اسلام کے وقت قبضہ ہو چکا تھا اور یہ ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ تعرض کیا ہو۔ اگر دار کے دارالاسلام بننے سے پیشتر ہونے والے عقد اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اُس کے مالکوں کی طرف اس کی واپسی کا حکم فرماتے جیساکہ ظلماً لی ہوئی اشیاء کی واپسی کا حکم فرمایا۔)

ایسے عقد کے الفاظ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟

آخر میں یہ بات رہ گئی ہے کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اتنا سوال اور بھی باقی رہ جاتا ہے کہ خود تلفظ بصیغۃ العقد کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس تلفظ کو معصیت نہ کہیں گے جیسے کسی مسلمہ فاسقہ سے نکاح ہونا موقوف ہے۔ اس کی رضا پر، اگر وہ رضا موقوف ہو کسی کلمہ فسقیہ کے تلفظ

پر تو اس تلفظ کا کیا حکم ہوگا؟ (ص ۱۵۵ ج ۳، امداد الفتاوی)

جواب میں ہم کہتے ہیں:

۱۔ صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں "لا یخفی ان ھٰذا التعلیل انما یقتضی حل مباشرۃ العقد اذا کانت الزیادۃ ینالھا المسلم (باب الربوا)

(ترجمہ: اس میں خفا نہیں کہ یہ تعلیل ارتکابِ عقد کی حلت کا تقاضا کرتی ہے جبکہ زائد مسلمان کو ملتا ہو۔) حل مباشرۃ العقد (یعنی ارتکابِ عقد کی حلت) کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ زبان سے ایجاب و قبول یعنی صیغہ عقد کا تلفظ کرنا حلال ہے۔

۲۔ فتح القدیر میں ہے۔

"لان ابا بکر قبل الھجرۃ حین انزل اللہ تعالی۔ الٓمٓ غلبت الروم۔ الآیۃ قالت لہ قریش ترون ان الروم تغلب قال نعم۔ فقال ھل لک ان تخاطرنا فخاطرھم فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذھب الیھم فزد فی الخطر ففعل وغلبت الروم فاخذ ابو بکر خطرہ فاجازہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو القمار بعینہ بین ابی بکر و مشرکی مکۃ وکانت مکۃ دار شرک۔ (باب الربوا)

ترجمہ: ہجرت سے پہلے جب آیت الٓمٓ غلبت الروم نازل ہوئی تو قریش نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ رومیوں کو غلبہ حاصل ہوگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ قریش نے کہا کہ آپ ہم سے شرط لگاتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے شرط لگا لی اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر خبر دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کے پاس جاؤ اور شرط کی مقدار میں اضافہ کردو۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی کیا۔ جب رومیوں کو غلبہ حاصل ہوا تو ابوبکر نے شرط ٹھہرایا ہوا مال لے لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مشرکین مکہ کے درمیان عین قمار تھا اور مکہ اس وقت دار الحرب تھا)

اس قصہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صیغہ کا تلفظ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا۔

۳۔ پراویڈنٹ فنڈ کے مسئلہ میں خود مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا فتوی ہے جس کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور دیگر ارکان مجلس تحقیق نے صحیح اور راجح قرار دیا ہے۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

تنخواہ کا کوئی جزء اس طرح وضع کرا دینا اور پھر یکمشت وصول کر لینا اگر اس کے ساتھ سود کے نام سے کچھ رقم ملے یہ سب جائز ہے، کیونکہ درحقیقت وہ سود نہیں ہے۔

"بندہ کا مدت سے یہ خیال تھا کہ یہ بھی صلہ (یعنی انعام) ہے تسمیہ سود سے حرمت نہیں آتی۔" (پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص۲۱)

رد المحتار میں ہے

حتی لو باعهم درهما بدرهمين أو باعهم ميتة بدراهم أو اخذ مالا منهم بطريق القمار فذلك كله طيب له۔

(باب الربا)

اس سے معلوم ہوا کہ عقودِ فاسدہ (مثلاً ایک درہم کی بیع دو درہم کے عوض) اور عقود باطلہ (مثلاً مردار کی بیع دراہم کے عوض) دونوں کی اجازت ہے۔

البتہ وہی عقود جائز ہیں جن میں فائدہ یا زیادت مسلمان کو حاصل ہوتی ہو۔ لا يخفى ان التعليل انما يقتضى حل مباشرة العقد اذا كانت الزيادة ينالها المسلم۔

(فتح القدیر)

نوٹ: اصل مسئلے کے اعتبار سے یہ تفصیل لکھی گئی ہے۔ البتہ اگر حالات کا تقاضا ہو کہ اس پر عمل کو اختیار نہ کیا جائے۔ مثلاً لوگوں کی ناسمجھی کی وجہ سے عمل و اعتقادی مفاسد کا اندیشہ ہو اور یہ خطرہ ہو کہ اس طرح لوگ ان صورتوں میں بھی جرأت کرنے لگیں گے جو بالاتفاق ناجائز ہیں تو ترک کا قول کرنا مناسب ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم